شہیدوں کا سردار

بقلم
ژیلہ ظفر

شہیدوں کا سردار

سن ٦ نبوی

اونچے اونچے پہاڑوں کے درمیان، وہ ایک چٹان کے پیچھے کھڑے اُس پرندے کو غور سے دیکھ رہے تھے، جو ہوا کے زور پر آسمان میں بلند سے بلند تر ہو رہا تھا۔ سخت گرمی اور دھوپ کی تمازت سے انکا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اُنکا ساتھی شکاری اُن ہی کے ساتھ کھڑا سامنے درخت پر بیٹھے پرندے کا نشانہ باندھ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ انکے ساتھی نے درخت پر بیٹھے پرندے کا شکار کر لیا۔

"واہ! کیا عمدہ شکار کیا ہے میں نے!۔۔۔آپ بھی دیکھیے سردار۔۔۔" انکے ساتھی نے اُنہیں مخاطب کیا۔ لیکن وہ متوجہ نہ ہوئے بلکہ اُنکی نظریں اب بھی اُس اُڑتے ہوئے پرندے پر ہی ٹکی تھیں۔انکے ساتھی نے اُنکی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور اُنکا ارادہ بھانپ کر مسکرایا

"بلاشبہ اڑتے پرندے کا شکار کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ایسے میں نشانہ کبھی کبھار ہی سہی جگہ لگتا ہے لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پورے مکّہ میں کوئی بھی آپ جیسا شکاری نہیں" انکے ساتھی نے کہا تو وہ مسکرائے۔اب وہ اپنے

ترکش سے اپنا پسندیدہ تیر نکل رہے تھے۔ تیر کو کمان میں لگا کر اُنھوں نے پرندے کا نشانہ لیا۔

پرندہ آسمان پر ہی تھا کہ اُنھوں نہ ایک ہی بار میں اُسکا شکار کر لیا۔

"اعلیٰ!۔۔۔ بہت اعلیٰ" اُنکا دوست خوشی سے چلایا

۔"میں نے کہا تھا نہ۔۔۔ پورے مکّہ میں آپ جیسا شکاری کوئی نہیں۔۔۔ کیا بات ہے آپکی حمزہ!"

"تمہارا شکریہ دوست۔ اڑتے پرندے کا شکار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تمہاری نظریں شکار پر سے ایک لمحے کیلئے بھی نہ ہٹنے پائے۔" وہ مسکراتے ہوئے داد وصول کرتے آگے بڑھے اور شکار کیے ہوئے پرندے کو اٹھا لیا۔

"ہم نے کافی دن شکار پر گزار لیے ہیں۔ اب ہمیں مکّہ واپس چلنا چاہیے۔" سردار حمزہ نے کہا تو اُنکے دوست نے اُنکی تائید کی۔

"بلکہ مکّہ پہنچتے ہی میں شکار اچھا جانے کی خوشی میں پہلے کعبے کا طواف کرونگا۔" وہ دونوں باتیں کرتے اپنے گھوڑے کی جانب بڑھنے لگے تھے۔

یہ مکّہ کے مشہور بہادر اور شکاری تھے۔ انکی شجاعت کے آگے بڑے بڑے بہادر پسپا ہو جاتے تھے۔ رُعب ودبدبہ ایسا کہ بڑے بڑے سرداران سے بات کرنے سے پہلے ہزار بار اپنے الفاظ پر غور کرتے تھے۔ یہ بات کرتے

تو اعتماد سے کرتے، غصّے میں ہوتے شیر کی طرح دھاڑا کرتے اور جنکو عزیز رکھتے اُنکی خاطر جان لینے اور دینے دونوں سے گریز نہ کرتے۔

عرب کے نوجوان آپکی شخصیت سے اتنے مرعوب رہتے کہ مستقبل میں آپ جیسا سردار بننے کی آرزو کرتے۔ آپ عزم، ہمت، قربانی، محبت اور شجاعت کی اعلیٰ مثال ہیں۔ آپ سید الشہداء، اسد اللہ واسد الرسول ہیں۔ آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے ساتھی، انکے رفیق، انکے عزیز از جان اور چہیتے چچا اور انکے رضاعی بھائی حضرت حمزہ ابنِ عبد المطلب ہیں۔

حضرت حمزہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمریں تقریباً قریب قریب تھیں۔ دونوں بچپن سے لیکر جوانی تک ساتھ رہے تھے۔ ایک دوسرے کے بہترین دوست اور قریبی ساتھی تھے۔ حضرت حمزہؓ کا چہرہ مبارک کچھ کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ملتا تھا۔ آپ دونوں کو حلیمہ سعدیہؓ نے دودھ پلایا تھا، اسی لیے آپ دونوں رضاعی بھائی بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت حمزہؓ سے بہت محبت کرتے تھے۔ لیکن حضرت حمزہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی کم محبت نہ تھی۔ اُسکا مظاہرہ آپ آگے چل کے پڑھیں گے۔

------+-------+-----

وہ ایک کنیز تھی جو اس وقت اپنے آقا کے گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھی۔ اُسکا گھر کو صفا

پر تھا۔ وہ اپنے کاموں میں مصروف تھی کہ اُسے کچھ تیز آوازیں سنائی دینے لگی۔

"یہ کیسی آوازیں ہیں؟" اُس نے سوچا اور کھڑکی سے باہر جھانکا تو کیا دیکھتی ہے کہ کوہ صفا پر حضورِ اقدس ﷺ موجود ہیں اور پاس سے کائنات کا قبیح ترین شخص ابّو جہل گزر رہا تھا جو آپ ﷺ کو دیکھ کر رک گیا ہے۔

"اے محمد ﷺ! کہاں ہے تمہارا وہ عذاب جس کا تم ہمیں ڈراوا دیتے ہو؟ کیوں نہیں لے آتے اُس عذاب کو؟" ابّو جہل نے کہا۔ لیکن سرورِ کائنات ﷺ نے اُسے نظر انداز کیا۔ اس طرح نظر انداز ہونا ابّو جہل کو بری طرح کھلا تھا۔

''منہ کیوں پھیرے ہوئے ہو؟ کیا ہمارے جیسے امیر اور شہرت یافتہ سرداروں کو چھوڑ کر اللہ کو تم ہی ملے تھے نبی بنانے کے لیے؟" اُس نے گستاخی کی اور مزید غلط باتیں کرتا رہا۔ وہ آپ ﷺ کو برا بھلا کہتا رہا لیکن حضوّر ﷺ اُس ملعون کو برابر نظر انداز کرتے رہے۔

اسطرح اپنی باتوں کا بے اثر جانا ابّو جہل سے برداشت نہ ہوا۔ اُس بد بخت نے پاس پڑا ایک پتھر اٹھایا اور آقا ﷺ کے ماتھے پر دے مارا۔ اس پتھر سے آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے خون نکل آیا لیکن آپ ﷺ نے اب بھی کچھ نہ کہا اور خاموشی سے وہاں سے چلے آئے۔ ابّو

جہل بھی وہاں سے نکل کر سرداروں کی محفل میں جا بیٹھا تھا

"یا اللہ! اس قدر ظُلم ۔۔۔ کتنا بد بخت ہے یہ ابو جہل۔ لعنت ہو اس پر" اپنی کھڑکی سے یہ سارا منظر دیکھتی وہ کنیز سخت پریشان ہو گئی۔ وہ بے چینی سے اپنے آقا کے شکار سے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی جو کہ کئی دنوں سے شکار پر گیا ہوا تھا۔

------+-------+-----

کعبے کے طواف کے بعد حمزہ ابن عبد المطلب اور انکے ساتھی عبد اللہ ابن جدعان ساتھ ساتھ اپنے گھروں کی طرف جا رہے تھے۔

''حمزہ! آپ میرے ساتھ آج کی جیت کی خوشی میں میرے گھر بعام فرمایئے گا" عبد اللہ نے اپنے دوست سے خوشی سے کہا۔ ویسے بھی سردار حمزہ آج بے انتہا خوشی تھے۔

''کیوں نہیں، تو پھر آج محفل تمہارے گھر میں سجے گی" حمزہؓ نے خوشی سے کہا

''تو آیئے پھر، اندر تشریف لایئے" عبد اللہ نے گھر کے دروازے پر اُنہیں اندر مدعو کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اندر قدم رکھتے دروازے پر عبد اللہ کی کنیز نے اُنکا راستہ روک لیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟" عبد اللہ نے اپنی کنیز کی یہ حرکت دیکھی تو چراغ پا ہوا۔

''آج جو ہوا ہے حمزہ، وہ آپکے لیے جاننا بہت ضروری ہے۔ اگر آپ یہاں ہوتے تو آپ عمرو ابنِ ہشام کے ہاتھ ہی توڑ ڈالتے" کنیز نے اپنے مالک کو نظرانداز کرتے ہوئے حضرت حمزہؓ سے کہا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم ؟ کس قسم کے الفاظ استعمال کر رہی ہو ہمارے سردار عمرو ابنِ ہشام بارے میں ؟"عبداللہ غصّے میں اُسے آگے سے ہٹانے لگا

''رک جاؤ عبداللہ ! اسے اپنی بات مکمل کرنے دو"حمزہؓ نے اُسے روک دیا تو کنیز کو حوصلہ ملا

''عمرو ابن ہشام نے یہیں، کوہ صفا پر آپ کے بھتیجے محمد ﷺ کو برا بھلا کہا، گالیاں دیں جواب میں وہ خاموش رہے تو وہ بھی اُس بد بخت سے برداشت نہ ہوا۔ اُس نے آپکے بھتیجے محمد ﷺ کو پتھر پھینک کر مارا جس سے اُنکی پیشانی خون آلود ہو گئی۔"اُس کنیز نے اپنی بات مکمل کی تو پہلے تو حمزہؓ دنگ رہ گئے پھر اُنکی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔

''اُس بد بخت کی اتنی جرات"وہ شدید طیش کے عالم میں بولے۔

''جانے دیجئے حمزہ ! عمرو بن ہشام آپ کا تجارتی ساتھی بھی ہے اور سردار بھی"عبداللہ نے بات سنبھالنی چاہی کیونکہ دو سرداروں کی آپس کی لڑائی یعنی دو قبیلوں کو جنگ میں جھونکنے کے مترادف تھی۔

''اگروہ سردار ہے تو میں بھی ہوں !اُس معلون نے میرے خون، میرے دوست۔۔۔میرے بھتیجے محمد ﷺ کو تکلیف پہنچائی۔اُس کو میں آج زندہ نہیں چھوڑوں گا۔واللہ۔۔۔جب تک اُس خبیث سے بدلہ نہ لے لوں گھر واپس نہیں آؤنگا۔"حمزہؓ غصّے سے کانپ رہے تھے۔اُسی غیظ وغضب کی حالت میں آپ دروازے سے ہی پلٹے اور ابو جہل کی تلاش میں نکل پڑے۔راستے میں کوئی نہ کوئی شخص ملتا، سلام کرتا لیکن آپ نہ رکتے نہ کسی کو جواب دیتے۔

''سردار حمزہ !آپ اتنی تیزی میں کہاں جارہے ہیں؟"کسی شناسانے آپ کے راستے میں آتے ہوئے کہا

''ہٹ جاؤ میرے راستے سے،اور مجھے بتاؤ کہ وہ خبیث ابو جہل کہاں ہے ؟"

''عمرو بن ہشام کی بات کرر ہے ہو؟ وہ تو قریشی سرداروں کے ساتھ دار لندوہ میں ہے۔"اُس شخص نے آپکو شدید غصّے کی حالت میں دیکھا تو شرافت سے ابو جہل کا پتہ بتادیا۔آپؓ رکے نہیں بلکہ فوراً اُسی محفل میں جا پہنچے۔

یہاں ایک بات واضح ہو جائے کہ حضرت حمزہ ابھی تک ایمان نہ لائے تھے،نہ آپ نے غور کرنے کی کوشش کی کہ پچھلے چھ سالوں سے میرا بھتیجا کس چیز کی دعوت دے رہاہے ؟اور مکّہ میں کیاہل چل مچی ہے ؟اور نہ ہی آپکو دین اسلام کے بارے میں جاننے میں کوئی دلچسپی تھی۔

البتہ اگر کوئی اسلام لے آتا تو آپ کو کوئی اعتراض بھی نہ ہوتا۔ آپؓ ایک غیر جانبدار انسان تھے۔ آپ شکار، شاعری اور گھڑ سواری کے شوقین تھے۔ لہٰذا اُسی میں آپکا وقت صرف ہوتا جو باقی وقت بچ جاتا اُس میں آپ سرداری کا فریضہ سرانجام دیتے۔

حمزؓ جیسے ہی دارالندوہ پہنچے تو دیکھا کہ وہاں تمام قبائلی سرداروں کی محفل جمی تھی اور ابّو جہل بیچ میں کہیں بیٹھا تھا۔ آپؓ تن تنہا، بنا خوف و خطر اور بنا یہ سوچے کہ اتنے سرداروں کے بیچ میں ابّو جہل پر حملہ کیا تو میرا انجام کیا ہو گا؟ شیر کی طرح ایک جست میں ابّو جہل تک پہنچے اور الٹی کمان اُس بد بخت کے سر پر دے ماری۔ آپ ویسے ہی طاقتور انسان تھے اوپر سے غصّے میں تو آپکی طاقت اپنے جوبن پر ہوتی تھی۔ کمان ابو جہل کے سر پر اس زور سے ماری کہ اُسکے سر سے اُسی لمحے بھل بھل خون بہنا شروع ہو گیا۔ باقی تمام لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ کسی کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ یہ ہوا کیا ہے۔ آپکی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو یہ اقدام لینے کے بعد وہاں رکتا نہیں، لیکن آپ نے نہ صرف مکّہ کے سب سے بڑے سردار کو بھری محفل میں تشدد کا نشانہ بنا کر اُسے ذلیل ورسوا کیا تھا، بلکہ اُسی غیظ و غضب کے عالم میں اُس کو للکار کر، دھاڑتے ہوئے بولے

''او بد بخت ! او خبیث ! او ابّو جہل۔۔۔۔ تُو نے میرے بھتیجے، میرے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس لیے مارا

کہ وہ دین اسلام کی دعوت دیتا ہے؟ تو سن لے اچھی طرح سے۔۔۔آج سے میں بھی اُسکے دین پر ایمان لایا۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو آ۔۔۔آکر مجھ سے مقابلہ کر۔۔۔" کیا انداز تھا، کیا شجاعت تھی اگر حضور ﷺ پر ایمان لانے والے کمزور اور محکوم مسلمان وہاں موجود ہوتے تو عش عش کر اٹھتے۔ پہلے ابوّ جہل کو رسوا کرنا اور پھر اُسی وقت سب کے سامنے للکارنا۔ یہ جرات صرف اور صرف حمزہؓ ہی کر سکتے تھے۔ آس پاس موجود لوگوں نے دانتوں میں انگلیاں دبالیں۔ بنو ہاشم کے بڑے سرداروں میں سے ایک سردار نے یہ کیا کہا تھا؟ اُس نے اسلام قبول کر لیا؟۔ اب جا کے لوگ سکتے سے باہر آنا شروع ہوئے تھے۔ ابو جہل کے قبیلے کے لوگ تو بھڑک ہی اٹھے

’’سردار حمزہ! یہ کیسی گستاخی ہے؟ تم کس طرح ایک سردار پر ہاتھ اٹھا سکتے ہو؟" یہ کہتے ہی ابو جہل کے قبیلے کے لوگوں نے تلواریں نیام سے نکال لیں لیکن حمزہؓ ایک انچ بھی نہ ڈگمگائے بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اُن سے مقابلے کے لیے تیار کھڑے رہے

’’خبردار جو ہمارے سردار کو ہاتھ بھی لگایا تو... ہم خون کی ندیاں بہادیں گے" اِدھر سے قریشیوں نے بھی تلواریں نکال لیں۔ اب دونوں قبیلے ایک دوسرے کے مقابل آگئے تھے۔

ابو جہل بڑا کائیاں آدمی تھا، وہ جانتا تھا کہ یہ لڑائی دو سرداروں سے دو قبیلوں کی جنگ میں تبدیل ہو جائے گی اور بقیہ عرب ہر صورت قریشیوں کا ساتھ دینگے، کیونکہ وہ ایک معتبر قبیلہ تھا اور اس کے نتیجے میں سوائے ابو جہل کے قبیلے کے اور کسی کا نقصان نہ ہو گا۔

''رک جاؤ، رک جاؤ۔۔۔ تلواریں اندر رکھو اپنی"ابو جہل نے کہا تو سب نے رک کر اُسے دیکھا

''ابّو عمارہ کو کچھ نہ کہو، یہ میری ہی غلطی تھی۔ میں نے ہی غصّے میں اُسکے بھتیجے کے ساتھ زیادتی کی لہٰذا اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔ اب تم لوگ یہاں سے جاؤ اور اپنا اپنا کام کرو"ابّو جہل نے جلدی سے کہا کہ آیا خون خرابے کی نوبت نہ آجائے۔ حضرت حمزہؓ اُسے آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ پیغام صاف تھا کہ کوئی بھی محمد ﷺ کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھے گا، تو میں اُسکی آنکھیں نوچ لونگا۔

اُس وقت نہ آپ مسلمان ہوئے تھے نہ آپ نے اسلام پر غور و فکر کیا تھا۔ لیکن حضرت محمد ﷺ سے اس قدر بے لوث اور اتنی شدید محبت تھی کہ اُنکو دوبارہ کوئی چوٹ پہنچانے کی ہمت نہ کرے، آپ دھمکی کے طور پر بتا آئے کہ جس کو بھی محمد ﷺ سے دشمنی ہے، اُسے پہلے میرا سامنا کرنا ہو گا کیونکہ میں بھی مسلمان ہوں۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ اسلام کے وہ پہلے

شخص بن گئے جس نے ابّو جہل سے

حضور ﷺ کا بدلہ لیا۔ آپکی یہ ادا، آپکا حضور

سے یہ عشق اور آپکا یہ انداز اللہ کو اتنا بھایا کہ

اسکے بدلے میں اللہ نے آپ پر انعام واکرام کی

وہ بارش کی جسکا آپ سوچ بھی نہ سکتے تھے۔

بیشک جو اللہ کے محبوب ﷺ سے محبت رکھے

گا، اللہ اُسے محبوب رکھے گا

----+-----+---

ابو جہل کو سبق سکھانے کے بعد اب آپکو اپنے

بچپن کے رفیق اور بھتیجے محمد ﷺ کی فکر تھی۔

لہٰذا آپ گھر جانے کے بجائے اُنہیں ڈھونڈھنے

نکلے۔ اب اُنکا چہرہ دیکھے بنا چین کہاں آنا تھا

؟ آپکو اطلاع ملی کہ حضور ﷺ دارارقم میں

موجود ہیں لہٰذا آپ بھی سیدھا وہیں پہنچے۔

''محمد ﷺ!... مجھے اطلاع ملی جو ابو جہل نے

تمہارے ساتھ کیا ہے" حضرت حمزہ نے

آپ ﷺ کو دیکھتے ہی کہا۔ حضور ﷺ اپنے

زخم صاف کر چکے تھے اور خون بھی اب رک

چکا تھا

''میں ٹھیک ہوں حمزہ!" حضور ﷺ نے

جواب دیا

''خوش ہو جاؤ بھتیجے۔۔۔ میں نے اس بد بخت

سے تمہارا انتقام لے لیا ہے۔ ایسی ضرب لگائی

ہے اُسے کہ ساری زندگی درد یاد رکھے گا" آپؓ

نے نبی ﷺ کو اپنا کارنامہ بتایا۔ آپ چاہتے

تھے کہ ابو جہل سے جو تکلیف حضور ﷺ کو پہنچی ہے، اُنکی اس بات سے حضور ﷺ کو کچھ سکون واطمینان محسوس ہو، آپؓ حقیقتاً اُنکی تکلیف کاازالہ کرناچاہتے تھے۔ لیکن آپؓ نہیں جانتے تھے کہ انکے سامنے رحم اور مہربانی کا پیکر، سرور کائنات بیٹھے تھے۔ وہ تو خود پر ظلم ڈھانے والوں کواُسی لمحے معاف کر دیا کرتے تھے۔اور کبھی بھی اپناانتقام نہ لیتے۔

’’یااسد۔۔" حضرت محمدؐ ﷺ اپنے ہر دل عزیز چچاکواُنکی شجاعت اور بہادری کی مناسبت سے کبھی کبھار پیار سے اسد کہہ کر مخاطب کرتے۔اسد عربی میں شیر کو کہتے ہیں۔

’’یااسد!۔۔۔یاحمزہ!۔۔۔۔یاعم(چچا)۔۔۔ مجھے ان سب باتوں کی نہ خواہش ہے نہ ایسی کسی بات سے مجھے خوشی ملتی ہے۔مجھے در حقیقت خوشی تب ملے گی جب آپ اسلام لے آئیں گے۔"حضور ﷺ کے اس جواب سے حمزہؓ لاجواب ہوگئے۔آپ کو سمجھ نہ آیا کہ کیا کریں۔لہٰذاآپ خاموشی سے اُٹھ کر وہاں سے گھر آ گئے۔

آپ گھر تو آ گئے لیکن سکون وقرار جاچکا تھا۔ کروٹ پر کروٹ بدلتے لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور۔اُس وقت تو سخت غصّے کے عالم میں تمام سرداران مکّہ کے سامنے کہہ بیٹھے کہ آج سے میں بھی محمد ﷺ کے دین پر ہوں لیکن

اب یہ سب مشکل لگ رہا تھا، کیونکہ عرب میں جو بات کہہ دی جاتی دوبارہ اُس بات سے پھرنا موت کے برابر ہوتا یعنی اہل عرب جان تو دے دیتے لیکن اپنی زبان سے نکلی بات سے کبھی نہ مکرتے۔

''میں نے تو سارے مکّہ کے سامنے اسلام لانے کا اقرار کر لیا ہے۔ اب اپنے فیصلے سے پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتا، اور اسلام قبول کرنے کا اقرار کر کے میں نے سارے سردارانِ مکّہ کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ مستقبل میں بنوہاشم مجھے اپنا سردار بھی تسلیم نہیں کرینگے۔'' آپؓ نے سوچا۔ سرداری اور دوستی سب خطرے میں پڑتی نظر آرہی تھی۔

''لیکن جو میں اگر اپنی بات سے پھر گیا تو وہ، جو آج مجھ سے ڈر گئے ہیں کل شیر بن جائینگے اور محمد ﷺ کو پہلے سے زیادہ نقصان پہنچائیں گے۔ اور میری کہی ہوئی بات کی کوئی اہمیت بھی نہ رہے گی۔ کیا میں اپنے بھتیجے کو تنہا چھوڑ سکتا ہوں؟'' آپ نے سوچا۔ یقیناً سرداری کی خواہش شدید تھی لیکن بھتیجے کی محبت بھی دل میں غالب تھی۔ بلآخر بھتیجے کی محبت جیت گئی۔

''نہیں نہیں۔۔۔ میں محمد ﷺ کبھی بھی ان بدبختوں کے آگے اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن میں تو دین اسلام کے بارے میں کچھ جانتا بھی نہیں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ دین حق

ہے بھی یا نہیں؟ بنا جانے میں کیسے وہ دین اپنا سکتا ہوں" آپ سخت شش و پنج میں مبتلا تھے۔

"یا اللہ! میری مدد فرما! مجھے سیدھا راستہ دکھا۔"

آپ نے دعا کی۔ اہل عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ ایک سب سے بڑا خدا ہے جو کہ اللہ ہے۔ باقی فرشتے ہیں جو سفارشی ہیں یعنی روز محشر فرشتے اُنکی سفارش کروائے گے کیونکہ معاذ اللہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ لہٰذا وہ اُن فرشتوں کے بت بنا کر اُنکی عبادت کیا کرتے تا کہ آخرت میں وہ اُنکی سفارش کروائے۔ باقی خدا تو وہ اللہ کو ہی مانتے تھے۔ لہٰذا حضرت حمزہؓ بھی اللہ سے مدد اور ہدایت کی دعا کر کے پر سکون نیند سو گئے۔

اپنے اس بندے کا حبیب خدا ﷺ اس قدر شدید لگاؤ اور محبت تو پہلے ہی اللہ کو پسند آ گیا تھا اور اُس پر سے آپؓ نے اللہ سے اپنے لیے ہدایت بھی مانگ لی تھی اور اللہ تو ہدایت مانگنے والوں کو کبھی بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ لہٰذا اللہ نے آپکو دنیا و آخرت کی کامیابی سے نواز دیا۔ اگلی صبح جب آپؓ بیدار ہوئے تو آپ کا دل ایسا پر سکون تھا جیسا پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ ہر شے اُجلی اُجلی لگتی تھی اور آپ اپنے فیصلہ پر بے انتہا اطمینان محسوس کر رہے تھے۔ اب نہ آپکو اہل مکہ کی کوئی فکر تھی نہ ہی کسی سرداری کی۔ آپ صبح صبح ہی حضرت محمد ﷺ کے پاس پہنچے۔

’’کیا بات ہے حمزہ؟" حضور ﷺ نے آپ سے آنے کی وجہ دریافت کی

’’ بھتیجے! کل تم نے کہا تھا نہ کہ میرے اسلام لانے سے تم سب سے زیادہ خوش ہو گے۔ تو میں اسلام لانا چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے اس دین کے بارے میں کچھ معلوم نہیں در حقیقت میں نے کبھی تمہاری دعوت پر غور ہی نہیں کیا۔ مجھے بتاؤ جس چیز کی تم دعوت دیتے ہو وہ کیا ہے؟"

آپکی بات پر حضور ﷺ بے پناہ خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے حمزہ ؓ کو اللہ کے احکامات پڑھ کر سنائے، دین اسلام کی تعلیم دی اور ایک اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ سب کچھ حضرت حمزہ ؓ کے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا تھا۔ آپ نے اقرار کر لیا کہ یہی سچا دین ہے اور آپ دل سے ایمان لیے آئے۔ اور حضور ﷺ کے پاس دار ارقم میں رہ کر اسلام کی تعلیمات حاصل کرنے لگے

-----+------+-----

حضرت حمزہ ؓ کو اسلام قبول کیے تیسرا روز تھا۔ آپ پچھلے تین دنوں سے مسلسل دار ارقم میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کی تعلیمات حاصل کر رہے تھے۔ اُس دن بھی آپ ؓ صحابہ کرام کے ساتھ دیوان میں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ خود محمد رسول اللہ ﷺ اندر کے کمرے کی جانب تھے، کیونکہ اس وقت آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہو رہا تھا لہٰذا صحابہ

باہر ہی انتظار فرما رہے تھے۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ دروازہ بجایا گیا۔

''میں دیکھتا ہوں'' ایک صحابی اٹھے اور دراڑ سے باہر جھانکا۔ باہر دیکھتے ہی کمزور مسلمانوں میں ہلچل مچی وہ پریشان سے دکھائی دینے لگے کہ آیا دروازہ کھولیں یا نہیں

''کیا ہوا ہے؟ کون ہے باہر؟'' بلآخر حضرت حمزہؓ نے پوچھا۔

''سردار حمزہ! دروازے پر بنو عدی سے خطاب کا بیٹا عمر کھڑا ہے۔ ساتھ میں تلوار بھی ہے۔ نامعلوم کس ارادے سے آیا ہے'' صحابہ نے پریشانی سے کہا۔ اُنہیں اپنی نہیں بلکہ حضور ﷺ کی فکر تھی۔ وہ اپنی جانوں پر تو ظلم برداشت کر سکتے تھے لیکن محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کسی طور برداشت نہ تھی۔

''اُسے آنے دو۔'' آپؓ نے حکم دیا

''لیکن۔۔۔؟'' مسلمان تذبزب کا شکار تھے

''فکر نہ کرو، اگر وہ اچھے ارادے سے آیا ہے تو اُسکا استقبال کرینگے اور اگر برے ارادے سے آیا ہے تو خدا کی قسم اُسی کی تلوار سے اُسکی گردن اڑادونگا'' آپؓ نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔ آپ کے ہونے سے مسلمانوں کو ڈھارس بندھی تھی۔ اُنہوں نے دروازہ کھول دیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دروازے پر عمر فاروقؓ کھڑے ہیں، جو اُس وقت ایمان نہ لائے تھے بلکہ اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے ایک تھے۔ ایمان لانے والوں

کو ایذا رسانی کرنے میں بھی وہ آگے آگے رہتے تھے لیکن اس وقت وہ تلوار کو نیام میں رکھنے کے بجائے گلے میں لٹکائے آرہے تھے۔ اہل عرب اگر کسی کے قتل کے ارادے سے آتے تو ننگی تلوار ہاتھوں میں لیے آتے اور اگر دشمنی ختم کرنے آتے تو تلوار گردن میں لٹکی ہوتی۔ لیکن حضرت حمزہؓ کو حضور ﷺ کے معاملے میں کسی پر بھروسہ نہ تھا لہٰذا آپ آگے بڑھے اور حضرت عمرؓ کا گریباں پکڑ لیا اور دھاڑتے ہوئے بولے

’’کیوں آئے ہو عمر؟ کیا ارادے ہیں تمہارے؟" اور وہ عمرؓ جو بڑے بڑے سورماؤں کو پہلوانی میں گرادیا کرتے، جنکے نام سے مکّہ کانپتا تھا وہ عمر سر جھکائے کھڑے رہے اور بولے

’’خدا کی قسم کسی غلط ارادے سے نہیں آیا۔ محمد ﷺ سے ملنا چاہتا ہوں" حضرت حمزہؓ نے اُنکا گریباں چھوڑ دیا اور بیٹھک میں انتظار کرنے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد حضور ﷺ باہر تشریف لائے تو اُن کے سامنے عمرؓ نے کلمہ شہادت پڑھا اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ انکے اسلام لانے پر مسلمانوں نے نعرہ تکبیر اس زوردار انداز سے بلند کیا کہ کوہ صفا گونج اٹھا۔ (سیدنا عمر ابن خطابؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بہت خوبصورت اور دلچسپ ہے انشاءاللہ آپ اُس پر بھی تفصیل سے تحریر پڑھیں گے)۔ اسلام لانے کے بعد

عمرؓ کے مشورے پر مسلمان جو کہ بہت عرصے سے بیت اللہ میں نماز نہ پڑھ سکتے تھے وہ سب کعبے میں نماز پڑھنے کے لیے نکلے۔

''اے اللہ کے نبی ﷺ آپ اور مسلمان بیت اللہ میں نماز ادا کریں اور مشرکین کو میرے اور حمزہؓ کے لیے چھوڑ دیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کون آپ لوگوں کو وہاں عبادت کرنے سے روکتا ہے'' آپکی بات حضور ﷺ کو پسند آئی۔ ابھی تک صرف حضور ﷺ بیت اللہ میں نماز پڑھتے تھے لیکن کمزور مسلمانوں کو دار ارقم میں چھپ کر نماز ادا کرنی پڑتی تھی۔ لیکن اُس دن حضور اقدس ﷺ نے مسلمانوں کی دو صفیں (قطاریں) بنائی۔ ایک کے آگے حضرت عمر کو کھڑا کیا اور دوسری کی کمان سیدنا حمزہؓ کو دی۔ خود آپ ﷺ دونوں صفوں کے درمیان میں تھے۔ اب یہ دستہ کوہ صفا سے بیت اللہ کی جانب چل پڑا۔ راستے میں جو کوئی دیکھتا اُسکے تو مانوں سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔

یہ کیا؟ عمر اور حمزہ؟ یہ دو طاقتور اور بہادر جوان، جن سے سارا مکّہ خوف کھاتا ہے۔ وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے؟ اب کیا ہو گا؟

اُس روز مسلمانوں نے پورے سکون کے ساتھ، بنا خوف و خطر، حضور ﷺ کی امامت میں نماز ادا کی۔ سیدنا حمزہ و عمرؓ وہاں کھڑے مسلمانوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ مشرکین خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے لیکن کسی کی بھی جرات نہ

ہوئی کہ وہ آگے بڑھ کر روکتا یا کوئی طنزیہ جملہ ہی کہہ دیتا۔ زبان پر جیسے تالا پڑ گیا تھا۔ وہ دونوں مسلمانوں کا دو بازو بن گئے تھے۔

------+------+----

سن ۷ نبوی

''میں نے آج تم تینوں کو بہت ضروری کام سے جمع کیا ہے۔ آج میں تم تینوں کو ایک اہم ذمے داری سونپنے جا رہا ہوں۔ اپنی اپنی جانیں دے دینا لیکن اپنی ذمے داری سے پیچھے نہ ہٹنا''

شعیب ابی طالب کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں اس وقت وہ چار نفوس کھڑے تھے۔ وہ مکّہ کے معتبر قبیلے کے سب سے معتبر گھرانے بنو ہاشم کا خون تھے۔ اس وقت جناب ابو طالب گفتگو کر رہے تھے۔ اور انکے سامنے انکے دونوں بھائی سیدنا حمزہؓ سیدنا عباسؓ (جو کہ اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) اور انکے بیٹے سیدنا علی ابن طالبؓ کھڑے تھے۔

تمام مکّہ نے جب دیکھا کہ سیدنا حمزہ اور عمرؓ ایمان لے آئے ہیں، تو اُسکے نتیجے میں وہ ظلم و ستم سے تو باز آئے لیکن اب اُنہوں نے تیزی سے پھیلتے اللہ کے دین کو روکنے کے لیے نیا حربہ استعمال کیا اور وہ تھا" بائیکاٹ "۔ یعنی کوئی بھی شخص بنی ہاشم والوں سے نہ تو کوئی رشتے داری جوڑے گا، نہ دوستی کریگا، نہ اُن سے کوئی چیز خریدے گا اور نہ اُنہیں کوئی بھی چیز بیچے گا یہاں تک کہ بنو ہاشم والے فاقوں سے تنگ آکر محمد ﷺ کو قریش

کے حوالے کر دیں تا کہ معاذاللہ وہ اُنہیں شہید کر دیں۔ جبکہ دوسری جانب بنوہاشم کے سردار ابوطالب نے پورے بنوہاشم کو یہ حکم دیا کہ چاہے بھوک پیاس اور تکلیف برداشت کرنی پڑے لیکن ہم محمد ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔اور قبیلے کے سردار کا فیصلہ سب کو ماننا پڑتا تھا۔ لہٰذا بنوہاشم کے مشرکین کو بھی بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا سوائے ملعون ابولہب اور اُسکے گھرانے کے۔ وہ قریشی سرداروں کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ کچھ بدبخت تو ایسے بھی تھے جنھوں نے مکے سے باہر سے آنے والے تجارتی قافلوں کو بھی منع کر دیا تھا کہ بنوہاشم سے کوئی تجارت نہ کرے۔ بدلے میں وہ زیادہ پیسوں میں اُن سے اُنکا مال خرید لیتے اور بنوہاشم والوں کے لیے کچھ نہ بچتا اور اُن بیچاروں کو فاقے تک کرنے پڑے۔ بچے راتوں کو بھوک سے بلکتے لیکن مکّے والوں نے بائیکاٹ نہ توڑا اور نہ ہی بنوہاشم کے قدم ڈگمگائے۔

’’عدم تعاون (بائیکاٹ) سخت ہوتا جارہا ہے۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ اس فاقے اور تکلیفوں سے تنگ آکر کہیں بنوہاشم کا کوئی شخص قریشیوں کے ساتھ نہ مل جائے۔ خوراک اور اشیاء خردونوش کی قلت کے سبب سردارانِ مکّہ کسی کو بھی پیسے دے کر خرید سکتے ہیں اور وہ محمد ﷺ کو قتل کر سکتا ہے۔" ابوطالب نے تشویش کا اظہار کیا۔

’’ہم ایسا ہر گز نہیں ہونے دینگے" سیدنا حمزہؓ نے غیظ و غضب سے کہا۔

’’ہمیں کیا کرنا چاہیے بھائی؟" حضرت عباسؓ بھی پریشان ہوئے۔

’’اب سے ہمیں پہلے سے زیادہ محمد ﷺ کی حفاظت کرنی ہو گی۔ گھاٹی کے باہر بھی حفاظتی اقدامات بڑھانے ہونگے۔اور گھاٹی کے اندر بھی اُنکی حفاظت کرنی ہو گی۔اُسکے لیے میرے پاس ایک طریقہ ہے" ابو طالب نے کہا

’’وہ کیا بھائی؟"

وہ یہ کہ جب رات کو شمعیں روشن ہو نگی تو محمد ﷺ اپنے بستر پر لیٹ جائینگے۔ حمزہ اور عباس، آپ دونوں انکے دائیں بائیں لیٹے اُنکی حفاظت کرینگے۔ شمعیں بجھنے سے پہلے اگر کسی شخص کے دل میں کوئی شیطانی ہو گی تو وہ دیکھ لیگا کہ محمد ﷺ رات کو کہاں سوئے تھے۔ شمعیں بجھنے کے بعد جب اندھیرا ہو جائیگا اور لوگ سو جائینگے تو میں اندھیرے میں محمد ﷺ کی جگہ تبدیل کر دونگا اور انکے بستر پر علیؓ کو لٹا دونگا۔ تاکہ اگر کوئی محمد ﷺ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اُنہیں وہاں نہ پائے۔" ابو طالب نے کہا اور بڑی جرات مندی کی بات تھی اپنی اولاد کو اپنے بھتیجے پر قربان کرنا۔اور بیٹا بھی دیکھیں کیسا بہترین مسلمان، سیدنا علیؓ نے اُس سے بھی بڑھ کر جرات مندی کا مظاہرہ کیا اور بولے۔

’’میں بلکل تیار ہوں ابا جان، بس محمد ﷺ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔"

’’بہترین۔۔۔تم دونوں کسی صورت محمد ﷺ کو اکیلا نہیں چھوڑو گے۔"ابو طالب نے سیدنا حمزہ وعباس ؓ کو مخاطب کر کے کہا۔اُس دِن کے بعد سے روزانہ اسی تدبیر پر عمل ہوتا۔حضرت حمزہ اور حضرت عباس، حضور ﷺ کے دائیں بائیں چوکس لیٹے رہتے۔اسی طرح تین سال تک بنو ہاشم اور مسلمانوں کا بائیکاٹ رہا۔بلآخر اللہ نے اُن مشرکین میں سے ہی ایسے لوگ کھڑے کر دیئے جنہوں نے اس ظالم بائیکاٹ کے خاتمے میں کردار ادا کیا۔

-------+-----+-----

سن ا ہجری

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ ہجرت کرلی تھی۔اللہ نے آپکو مدینے میں بہترین ساتھیوں سے نوازا جو کہ انصار مدینہ کے نام سے مشہور ہیں۔مدینے میں حضرت محمد ﷺ نے ایک انصار کو ایک مہاجر کا بھائی بنایا اور اس طرح تمام مہاجر وانصار میں ایسا بھائی چارہ قائم ہوا کہ جسکی مثال نہیں ملتی۔اللہ کے رسول نے اپنے دو بے حد پیارے صحابہ کو آپس میں بھائی بنایا۔اور وہ دونوں تھے سیدنا حمزہ ؓ اسد اللہ اور عم رسول (یعنی رسول کے چچا)اور اُنکا بھائی بنے محبوب رسول ﷺ، حضرت زید بن حارثہ ؓ یہ دونوں ہی رسول ﷺ کو بے حد

محبوب تھے لہٰذا آپ نے دونوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔اور وہ دونوں بھی آپس میں بہت پیار و محبت سے رہتے تھے۔ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔

مدینے آنے کے بعد آج رسول ﷺ نے تمام صحابہ کو جمع کیا تھا۔اب اللہ کی جانب سے جہاد کا حکم آیا تھاالبتہ جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔

مسلمانوں کواب مشرکین مکہ پر اپنی دھاک بیٹھانی تھی۔اُنھوں نے مسلمانوں کومکّہ چھوڑنے پر مجبور کیا تھا، مسلمانوں کواب اُنہیں دکھانا تھا کہ اللہ کے نبی اور انکے ساتھی کمزور نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اب اُنہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔سانپ کا سر کچلنے کے لیے اُسے بل سے باہر نکالنا پڑتا ہے اور اُسے بل سے باہر نکالنے کے لیے تدبیر کرنی پڑتی ہے۔لہٰذا نبی ﷺ کو بھی مکّہ کے اُن سانپوں کو بل سے باہر نکالنا تھاتا کہ وہ اُن کو میدان جنگ میں لا کر اُنکا سر کچل سکیں۔اس مقصد کے لیے

آپ ﷺ نے مدینے کے اطراف میں الگ الگ فوجی دستے بھیجے۔یہ دستے خود آپ ﷺ نے تیار کیے تھا۔ان دستوں کا کام مدینے کی حفاظت کو یقینی بنانا، قریش اور مکّہ کے مشرکین کی جاسوسی کرنااور اگر مشرکین مکّہ کا کوئی قافلہ جنگی سامان لیجاتا دکھے تو اُس پر حملہ کر کے اسے قبضے میں لینا تھا۔آپ ﷺ کے یہ دستے بہت ہی منظّم تھے۔یہ آپکو پل پل کی خبریں پہنچاتے

تھے۔انہی دستوں کی کاروائیوں سے تنگ آکر مشرکین مکّہ جنگ کے لیے نکل آئے اور یہی آپ ﷺ کا مقصد تھا۔اُن کے بڑے بڑے سرداروں کو ایک میدان میں جمع کر کے اُن سب کا کام تمام کرنا۔اور یقیناً اللہ کی مدد شامل حال تھی۔

لہٰذا ان تمام مقصد کے لیے آپ ﷺ نے جو سب سے پہلا دستہ تیار کیا اس میں تیس جنگجو تھے۔اس دستے کے کماندار سیدنا حمزہؓ تھے۔ آپ ﷺ نے اُنہیں سب سے پہلا اسلام کا جھنڈا تھمایا تھا۔اور یہ جھنڈا آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے باندھا تھا۔ حضرت حمزہؓ لشکر اسلام کے پہلے امیر تھے۔اسی لیے آپکو امیر حمزہ بھی کہا جاتا ہے۔

سیدنا امیر حمزہؓ کی سربراہی میں یہ لشکر جاسوسی کے لیے روانہ ہوا۔بحر احمر کے اطراف میں ایک مقام عیص ہے وہاں پر امیر حمزہؓ نے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالا۔کچھ ہی دیر میں وہاں ایک قافلے کی آمد ہونی تھی۔وہ تین سو سواروں پر مشتمل مکّہ کا قافلہ تھا جو شام سے تجارت کر کے واپس آنے والا تھا۔اس قافلے کا امیر ابو جہل تھا۔

''امیر حمزہ! اب کیا کرنا ہے" ایک صحابی نے پوچھا۔وہ سب اس وقت چٹانوں کی اوٹ میں گھات لگائے بیٹھے تھے

''صبر رکھو۔" امیر حمزہؓ نے جواب دیا۔

"کیا ہم حملہ کرینگے ؟"

،،نہیں ! محمد ﷺ نے ہمیں صرف قافلے کی خبر لانے کہا ہے۔ ہم انکی ممکنہ حد تک معلومات لیکر انکے گزر جانے کا انتظار کرینگے۔ پھر واپس چلیں گے "

،،کیا میرا انتظار کر رہے ہو سردار حمزہ؟" یہ آواز سن کر تمام لشکر نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بد بخت ابو جہل وہیں کھڑا تھا۔ اُسکے پیچھے قافلے والے بھی تھے۔ دراصل قافلہ دوسری جانب سے آیا تھا جسکی وجہ سے قافلے اور لشکر کا آمنا سامنا ہو گیا۔

،،آخر تم لوگ یہاں کر کیا رہے ہو؟" ابو جہل نے سختی سے پوچھا

،،کیا ہم تمہیں جواب دہ ہیں جاہلوں کے سردار؟ ہم تمہارے غلام نہیں ہیں۔ مدینہ ہماری ریاست ہے۔ اُسکے آس پاس نظر آنے کی جرات بھی نہ کرنا۔" سیدنا امیر حمزہؓ کے اس کرارے جواب پر ابّو جہل تلملا اٹھا۔

،،تو ہمارے شہر سے بے دخل کیے ہوئے لوگ اب ہمیں آنکھیں دکھائیں گے۔ تیار ہو جاؤ بھائیوں۔ آج ان بیوقوفوں کو اپنی طاقت دکھا ہی دیں" ابو جہل کے کہنے پر قافلے کے چند لوگوں نے تلواریں نکال لیں۔ کیوں کہ یہ ایک تجارتی قافلہ تھا لہٰذا انکے پاس دفاعی ہتھیار کچھ خاص نہ تھے

''لگتا ہے آج تمہیں اپنی موت کو دعوت دینے کا بہت دل کر رہا ہے۔ چلو پھر آؤ۔۔ کرو مقابلہ "

امیر حمزہؓ کے کہنے پر اُنکا لشکر بھی ہتھیاروں سمیت تن کر کھڑا ہو گیا۔ اب دونوں ہی فریقین ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو چکے تھے۔ اس سے قبل کہ جنگ کا آغاز ہو جاتا ایک شخص جسکا نام مجدی بن عمرو تھا وہ بھاگتا ہوا آیا

''رک جاؤ۔۔۔ خدا کے لیے رک جاؤ" مجدی کی آواز پر سب نے اُسے رک کر دیکھا

"کیوں اپنوں کا ہی خون بہانے پر تلے ہوئے ہو۔ دونوں طرف تمہارے ہی قبیلے کے لوگ ہیں تمہارے ہی نسبی اور قبائلی بھائی ہیں۔ مت کرو ایسا، اس سے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہو گا"

''ہم کسی فائدہ یا نقصان کے لیے یہاں نہیں ہے مجدی! ہم اللہ کے لیے اپنوں کا خون بہانے سے بھی گریز نہیں کرینگے "امیر حمزہ نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا

''اور ہم بھی یہاں سے نہیں ہلیں گے۔ ویسے بھی حمزہ سے تو پرانے حساب چکانے ہیں۔ "ابو جہل بھی ٹلنے کو تیار نہ تھا

''آپ دونوں کو قرابت داری کا واسطہ، میں قبیلہ جہنینہ کا سردار ہوں۔ آپ دونوں سے ہی پرانی دوستی ہے۔ میری بات مان لیجئے۔ سردار حمزہؓ آپ واپس چلے جائیے۔ عمرو بن ہشام اور ہم یہاں لڑنے یا کسی کو نقصان پہنچانے نہیں آئے ہیں۔ اور عمرو۔۔ قافلے میں عورتیں اور بچے

بھی ہیں اُنکا بھی خیال کرو" مجدی نے بڑی منّت سماجت کی تھیں۔ عرب میں قرابت داری کا واسطہ ایک جذباتی قسم کی بلیک میلنگ ہوتی تھی۔ ابو جہل نے بات مان لی اور ہتھیار اندر رکھ لیے۔ امیر حمزہؓ بھی لشکر کو واپس لیے مدینہ آ گئے کہ حضور ﷺ نے صرف معلومات لانے کو کہا تھا سوائے کسی قسم کی ناگزیر صورتحال کے حملے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اس مہم کو اسلامی تاریخ میں سریہ بحر السیف کہتے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کے امیر، حضرت حمزہؓ اور انکے لشکر نے جو جرات مندی کا مظاہرہ کیا تھا اُس نے مشرکین کے دلوں میں دھاک بٹھا دی تھی

-----+------+----

سن ۲ ہجری

پھر یوں ہوا کہ حضرت محمد ﷺ ایسے چھوٹے چھوٹے کئی دستے مختلف مہمات پر مسلسل بھیجتے رہیں۔ وہ دستے کبھی مکّہ کے قافلے کی جاسوسی کرتے کبھی اُن سے آمنا سامنا ہونے پر اُنہیں ڈرا دھمکا کر آتے تو کبھی قافلے پر قبضہ ہی کر لیتے۔ اس سے مکّہ والے سخت پریشان ہو گئے۔ اُنہیں بار بار اپنا راستہ تبدیل کرنا پڑتا۔ وہ جس راستے پر جاتے وہاں مسلمانوں سے ٹکراؤ ہو جاتا۔ وہ جو مسلمانوں کو کمزور اور بے آسرا سمجھ کر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑا کرتے تھے، اب حقیقتاً پریشان ہو گئے تھے۔ اُنکا کوئی ایک آدھ قافلہ ہی مسلمانوں سے بچ پاتا۔ اس بار بھی ابو سفیان ابنِ

حرب ایک قافلے کو لیکر شام کی جانب گئے تھے۔ مسلمانوں نے قافلے کا پیچھے کرنا چاہا لیکن وہ بچ نکلا۔ اب وہی قافلہ شام سے واپس آرہا تھا تو حضور ﷺ تین سو تیرہ صحابہ کرام کے ساتھ اُسکا پیچھا کرنے گئے۔ کیونکہ قافلہ تجارتی تھا اور آپ ﷺ باقاعدہ جنگ کا کوئی ارادہ بھی نہ تھا لہٰذا ہتھیار اور سواریوں کی کمی تھی۔ دوسری جانب ابوجہل مسلسل اپنے تجارتی قافلوں کے قبضہ ہو جانے سے تنگ تھا۔ اُسے یقین تھا کہ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور اُس قافلے میں تقریباً سارے اہلیانِ مکّہ کا سامان تھا اُس قافلے کے قبضہ ہو جانے کی صورت میں اہلِ مکّہ کو حقیقتاً فاقے کرنے پڑ سکتے تھے۔ لہٰذا اُسکے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ ایک ہزار لوگوں کو ساتھ لیے باقاعدہ جنگ کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اس جنگ میں اُس نے زبردستی اُن لوگوں کو بھی شامل کر لیا تھا جن بیچاروں کو نہ تو مسلمانوں سے کوئی مسئلہ تھا نہ ہی کوئی دشمنی۔ اسی میں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس (جو کہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن اپنا اسلام انہوں نے اب تک چھپا رکھا تھا اور ہجرت بھی نہ کی تھی) کو بھی ابولہب نے زبردستی جنگ پر بھیج دیا تھا۔

دوسری جانب ابوسفیان نے واپسی کا راستہ تبدیل کر لیا اور ایک بار پھر مسلمانوں سے بچ نکلے لیکن مسلمانوں کو ابوجہل کے آنے کی خبر

بھی ہو گئی۔ لہٰذا حضرت محمد ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورے کے بعد بلآخر ابو جہل سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا اور یہی تو آپ ﷺ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ سانپ بلوں سے باہر آئیں اور انکا سر کچلا جا سکے۔ بلآخر بڑے بڑے سردار خود چل کر اپنی موت کی جانب آرہے تھے۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے کہا کہ

''مکّہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے سامنے لا کر ڈال دیا ہے "یعنی مکّہ کے سارے بڑے سردار عتبہ ،ابو جہل، اُمیہ بن خلف، عاص بن وائل اور نضر بن حارث وغیرہ خود چل کر آئے ہیں تمہارے پاس اب یہ تم پر ہے کہ ان بد بختوں کو زندہ جانے نہ دینا۔ یوں اللہ کے کرم سے مسلمانوں کے لشکر نے بدر میں پہلے پہنچ کر وہاں کے چشمے کے قریب قبضہ کر لیا۔ سامنے ہی مشرکین کا کیمپ تھا۔ اور وہ چشمے پر مسلمانوں کا قبضہ دیکھ کر پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ مسلمانوں کے پاس پینے کے لیے، وضو کرنے کے لیے اور سواریوں کو پلانے کے لیے وافر مقدار میں پانی میسر آ گیا تھا البتہ مشرکین کے کیمپ میں پانی کی قلت ہو گئی تھی۔ حضور ﷺ نے تاکید کی تھی کے جب تک اُنکی جانب سے حملہ نہ ہو تب تک ہم جنگ کا آغاز نہ کرینگے۔

دوسری جانب خود ابو جہل کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ آدھے لوگ کہتے کہ واپس چلو کیوں کہ ہم نے تو ابو سفیان کی حفاظت کے لیے جنگ

کا فیصلہ کیا تھا اور ابو سفیان صحیح سلامت مکّہ پہنچ چکا ہے اب جنگ بیکار ہے، تو کچھ لوگ کہتے کہ دوسری جانب بھی ہمارے ہی بھائی، بیٹے اور باپ ہیں ہم اُنہیں کیسے مار سکتے ہیں لیکن ابو جہل بھی اڑا ہوا تھا اور اس نے یہ تک کہہ دیا کہ جو کوئی واپس جائیگا اُس سے بھی ابو جہل اعلان جنگ کریگا۔ لوگوں کو ناچار جنگ میں شامل ہونا پڑا۔

مشرکین کا پانی اب ختم ہو چکا تھا اور پیاس سے برا حال تھا۔ ایسے میں ایک شخص جسکا نام اسود بن ابدلاسد مخزومی تھا۔ وہ آگے بڑھا اور بولا ’’آج قسم کھاتا ہوں کہ اس چشمے سے جس پر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا ہے پانی پی کر رہونگا۔۔۔'' یہ کہہ کر وہ تلوار لیے آگے بڑھا۔ یہ بڑا بداخلاق شخص تھا۔ مکّے میں مسلمانوں کی مخالفت میں سب سے آگے تھا۔

’’میں بھی دیکھتا ہوں کہ تم کیسے یہ جرات کرتے ہو۔'' امیر حمزہؓ نے غضبناک ہوتے ہوئے کہا اور آپ بھی آگے بڑھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ چشمے کے پاس پہنچ پاتا سیدنا حمزہؓ نے اُسکے گھٹنے پر تلوار اس طاقت سے ماری کہ وہ ٹانگ کٹ کر الگ ہو گئی۔ لیکن کیوں کہ اسود کو اپنی قسم پوری کرنی تھی لہٰذا وہ اُسی حالت میں گھسیٹتا ہوا آگے بڑھا۔ وہ چشمے کے ساتھ بنے حوض کی طرح بڑھا اور اُس کی جانب جھکا ہی تھا کہ سیدنا حمزہؓ نے تلوار سے ایسا وار کیا کہ وہ بدبخت وہیں مر گیا۔ اس

کے بعد تو گویا مشرکین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اُنھوں نے جنگ کے آغاز کا فیصلہ کیا۔

اُنکی جانب سے تین بڑے سردار جو کہ ایک ہی خاندان سے تھے وہ آئے۔ ایک عتبہ، دوسرا عتبہ کا بھائی شیبہ اور تیسرا عتبہ کا بیٹا ولید آگے بڑھے۔

حضور ﷺ کے اشارے پر تین انصاری صحابی اُن سے مقابلہ کرنے آگے آئے۔

''آپ لوگ کون ہیں؟" عتبہ نے پوچھا

''ہم انصاریوں کی جماعت ہیں" عبداللہ ابن رواحؓ نے جواب دیا

''تم لوگ اچھے جنگجو ہو لیکن ہمیں تم سے کوئی مطلب نہیں۔ ہمیں تو ہمارے ہی قبائلی بھائیوں سے جنگ کرنی ہے" شیبہ نے کہا۔ پھر زور سے آواز لگائی

''محمد ﷺ! ہمارے پاس ہماری قوم کے لوگوں کو بھیجو" یہ آواز سن کر آپ ﷺ نے تینوں انصاری صحابہ کو واپس بلایا اور حکم دیا کہ

''حمزہؓ اُٹھو۔۔۔۔ علیؓ اُٹھو۔۔۔۔ عبیدہؓ اُٹھو۔۔۔" تینوں صحابہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور مشرکین کے مقابلہ میں آئے۔ تینوں صحابہ کرام کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے۔

''آپ لوگ کون ہیں؟" عتبہ نے پھر پوچھا

''ہم قریشی ہیں"

"ہاں ہم تم سے مقابلہ کرنے کو تیار ہیں" اُسکے بعد مقابلہ شروع ہوااور سیدنا حمزہؓ شیبہ کی جانب، سیدنا علیؓ ولید کی جانب اور عبیدہؓ عتبہ کی جانب بڑھے۔ امیر حمزہؓ اور انکے بھتیجے سیدنا علیؓ نے ایک ہی وار میں اپنے اپنے مقابلے میں آنے والے کو ختم کر دیا۔ جبکہ عبیدہؓ (یہ بھی حضور ﷺ کے چچا کے بیٹے تھے) اور عتبہ میں برابر کا مقابلہ ہوا۔ اپنے اپنے شکار کو مارنے کے بعد سیدنا حمزہ و علیؓ نے عبیدہؓ کی مدد کی اور عتبہ کو بھی ختم کر ڈالا۔

اُسکے بعد تو جیسے جنگ کا پورا آغاز ہو گیا۔ مسلمانوں نے پہلے دفاع کیا اور جب مشرکین کے تیر ختم ہو گئے تو حضور ﷺ نے بھی جنگ کی اجازت دے دی۔ دونوں فریقین ایک دوسرے کے مد مقابل آ گئے۔ حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں میں دو تلواریں تھیں۔ آپؓ دو ہی تلواروں سے لڑتے تھے۔ آپؓ مشرکین کی جس صف میں گھستے اُس صف کا کام ہی تمام کر دیتے۔ دونوں جانب سے وار کرتے اور ایک ہی وار میں سب کو مارتے چلے جاتے۔ پھر آپؓ دوسری صف میں جا گھستے۔ اُس روز آپ نے مشرکین کی صفوں پر صفیں اُلٹ کر رکھ دی تھیں اُس پر سے اللہ کی مدد بھی شامل حال تھی۔

یہ جنگ حقیقتاً تاریخ کی سب سے مشکل ترین جنگ تھی کیونکہ کے آج تک ایسا نہیں ہوا کہ جنگ میں ایک جانب کسی کا بیٹا ہو تو دوسری

جانب اُسی کا باپ ہو اور لوگوں نے اپنے باپ ماموں، بیٹے اور بھائیوں کو قتل کیا ہو۔ جنگ بدر میں مسلمانوں نے ایسا کیا بھی اور کسی کے ہاتھ کانپے تک نہیں، کیونکہ وہ اللہ کے نام پر آئے تھے اور اللہ سے بڑھ کر اُنہیں کوئی عزیز نہ تھا کیا ہی بہادر لوگ تھے وہ جنہوں نے اپنے ہی خون کو قتل کیا لیکن قدم ذرا نہ ڈگمگائے۔

بلآخر معرکہ ختم ہوا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کفار کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اب جو بچ گئے تھے اُنہیں صحابہ کرام گرفتار کر کے قیدی بنا رہے تھے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کفار کا ہتھیار جمع کر رہے تھے کہ اچانک اُمیہ بن خلف جو اپنے جوان بیٹے کے ساتھ کھڑا تھا اُس نے انہیں آواز دی۔ جاہلیت کے دور میں اُمیہ، عبدالرحمنؓ کا دوست تھا۔

''کیا تمہیں میری ضرورت ہے؟ میں ان زرہوں سے زیادہ قیمتی ہو جو تم نے اٹھائی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں دودھ کی حاجت نہیں؟''اس بات کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم مجھے قیدی بنالو تو میں بدلے میں دودھ دینے والے مویشی فدیے میں دونگا۔ ظاہر ہے مسلمانوں کی طاقت کا اُسے اچھے سے اندازہ ہو گیا تھا اور وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا عبدالرحمنؓ نے زرہیں چھوڑ کر اُسے اور اُسکے بیٹے کو قیدی بنالیا۔

''وہ شخص کون تھا جس نے اپنے سینے پر شُتر مرغ کے پر لگائے ہوئے تھے؟"اُمیہ نے عبدالرحمنؓ سے پوچھا

''وہ حمزہ ابنِ عبدالمطلب تھے"اُنہوں نے جواب دیا

''واللہ۔۔۔یہی شخص ہے جس نے ہماری صفوں میں تباہی مچا رکھی تھی۔اس اکیلے شخص نے ہی ہمارا سب سے زیادہ نقصان کیا ہے"اُمیہ نے کہا۔ حضرت حمزہؓ کی طاقت و شجاعت سے وہ بھی متاثر نظر آ رہا تھا۔سچ تو یہ تھا کہ اس جنگ میں کوئی بھی سیدنا حمزہؓ کے آگے ٹک نہیں پایا تھا نہ ہی کوئی اُنکا مقابلہ کر سکا تھا۔وہ حقیقتاً شیر تھے۔

-----+------+----

مکّے میں جب بڑے بڑے سرداروں کے مرنے کی اطلاع پہنچی تو وہاں گویا کہرام مچ گیا تھا۔کسی کو یقین نہ آ رہا تھا کہ ابو جہل،اُمیہ (اسے قیدی ہونے کے باوجود بلالؓ نے واصل جہنم کر دیا تھا)،نضر بن حارث،عاص بن وائل،عتبہ اور شیبہ جیسے سارے سردار ایک ہی بار میں مارے گئے اور جو زندہ تھے وہ مسلمانوں کی قید میں تھے۔اُنکو آزاد کروانے کے لیے مکّہ کے لوگ فدیہ بھجوا رہے تھے۔

''میرے بھائی کو بھی قتل کر دیا گیا اور اُسکے بیٹے کو قید کر دیا ان مسلمانوں نے"ابو جہل کے بھائی نے کہا

''میرے باپ اور بھائی دونوں قتل کر دیئے گئے ہیں اور لاشیں کنویں میں پھینک دی گئی ہیں۔''
صفوان بن امیہ نے دکھ سے کہا۔

''قسم سے مکّہ تو ویران ہو گیا ہے''جبیر بن مطعم نے کہا

''بس کر دو تم لوگ۔۔۔کوئی بھی غم نہیں منائے گا۔سن لے تمام مکّہ والے!...ہم سوگ منا کر مسلمانوں کو خوش نہیں ہونے دینگے''ابو سفیان نے کہا۔اب وہی مکّہ کے بڑے سردار باقی بچے تھے

''پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟کیا ہم مسلمانوں سے بدلہ نہیں لینگے؟''خالد بن ولید نے پوچھا

''ہم لینگے ضرور لینگے۔۔۔آج سے کوئی بھی شخص ضرورت سے زیادہ سامان جمع نہیں کریگا، کوئی دو وقت سے زیادہ نہیں کھائے گا۔سارا مال دارالندوہ میں جمع کیا جائیگا۔اُس سے ہم جنگی ساز وسامان تیار کرینگے اور اگلے سال اس سے زیادہ قوت کے ساتھ مسلمانوں سے ٹکرائیں گے''ابو سفیان نے اعلان کیا

''میں اتفاق کرتا ہوں''خالد بن ولید نے کہا۔

اس میٹنگ کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

''میرے چچا۔۔۔میرے پیارے چچا کو مسلمانوں نے قتل کر دیا۔محمد ﷺ!اب میں تمہارے چہیتے چچا کو قتل کر کے بدلہ پورا

کرونگا۔میرا وعدہ ہے"جبیر بن مطعم اپنے بستر پر لیٹا سخت تلملایا ہوا تھا۔اُسے بس اگلے سال کا انتظار تھا۔

-------+-----+----

سن ۳ ہجری

اور ایک سال گزر گیا۔وہ دن بھی آگیا جسکے لیے مشرکین مکّہ نے فاقے برداشت کر کے بہت سا مال جمع کیا تھا اور سارا مال اس جنگ پر لگا دیا تھا۔ مشرکین کی اس تیاری کی اطلاع حضرت عباسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا دی تھی۔

جبیر بن مطعم اپنے غلام وحشی بن حرب کے پاس آیا۔اسکا یہ غلام نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا۔ پورے عرب میں ایسا نیزہ پھینکنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ ایسے نیزہ پھینکتا کہ سامنے والے کے آر پار ہو جاتا۔

’’کیا تمہیں آزادی چاہیے ؟"جبیر نے اپنے غلام سے پوچھا

’’ہاں۔۔۔"ایک غلام کو بھلا اور کیا چاہیے آزادی کے علاوہ؟

’’میں تمہیں آزاد کر سکتا ہوں۔۔۔"

’’مگر کیسے ؟میرے پاس آزادی کی قیمت ادا کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے"

’’تمہاری آزادی کی قیمت یہ ہے کہ تمہیں ہمارے ساتھ جنگ میں چلنا ہے۔اور ایک شخص

کو نیزے سے قتل کرنا ہے۔ جیسے ہی وہ قتل
ہو جائے تم آزاد ہو۔۔"

‘‘بس اتنا ہی ؟"وحشی حیران ہوا۔ جبیر نے
اثبات میں سر ہلایا

‘‘میں تیار ہوں "۔اُسکے بعد تمام مشرکین مکّہ
اُحد کی جنگ کے لیے پہنچ گئے۔ معرکہ شروع
ہو گیا تھا۔ مشرکین اس جنگ میں اپنے ساتھ
عورتوں کو بھی لیکر گئے تھے۔تاکہ وہ اُنکا حوصلہ
بڑھائیں۔ جنگ کا ایندھن گرم ہو چکا تھا۔

‘‘کون ہے وہ شخص ؟"میدان جنگ میں وحشی
نے جبیر کے پاس آکر پوچھا

‘‘وہ دیکھو!۔۔ جس نے اپنے سینے پر شُتر مرغ
کے پنکھ لگائے ہوئے ہیں وہ ہی ہے "جبیر نے
اشارہ سے بتایا تو وحشی نے دیکھا کہ ایک طاقتور،
رُعب دار شخص جسکے پاس آنے سے بھی لوگ
ڈر رہے ہیں وہ باآواز بلند کہہ رہا ہے کہ

‘‘میں اللہ کا اور اُسکے رسول کا شیر ہوں۔آؤ مجھ
سے مقابلہ کرو۔اے اللہ! میں اس ابوسفیان کی
فوج کو ختم کرنے آیا ہوں۔میری مدد فرما"

وحشی نے اتنا شجاع شخص کبھی نہ دیکھا تھا۔
بہر حال وہ وہاں سے چلے۔ لیکن اُنکی مزید آگے
بڑھنے کی ہمت نہ ہو سکی کیونکہ سیدنا حمزہؓ
شیروں کی طرح مشرکین کو کاٹ رہے تھے۔
جو سامنے آتا وہ ختم ہو جاتا۔ یہاں تک کہ
مشرکین کوشش کرتے کہ اُنؓ سے مقابلہ نہ

ہو۔ وحشی بھی اُنکی طاقت سے خوف زدہ ہو گئے تھے۔

''میں اس بہادر انسان کو سامنے سے نہیں مار سکوں گا۔ یہ تو اپنی ہی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔ مجھے کسی جگہ سے چھپ کر وار کرنا ہو گا'' یہ سوچ کر وحشی نے ایک بڑے پتھر کی اوٹ لے لی اور پھر حضرت حمزہؓ کے آگے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ سیدنا حمزہؓ مشرکین کو کاٹتے مارتے آگے بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک مشرک جسکا نام سباع تھا وہ سیدنا حمزؓ کے سامنے آیا۔

''اوہ بیغیرت۔۔۔ اوہ خبیث۔۔۔ یہ لے۔۔۔'' حضرت حمزہؓ اُسے للکارتے ہوئے آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں اُسکا سر کاٹ کے اڑا دیا۔ آج لگتا تھا کہ اُنہیں کوئی نہیں روک سکے گا۔ اللہ کے اس شیر کو خبر نہ تھی کہ وحشی چھپ کے اُنکو مارنے کے انتظار میں ہے۔ وحشی نے اُنکی بے خبری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نیزہ ہوا میں اچھالا اور سیدنا حمزہؓ کی طرف پھینک دیا۔ نیزہ انکے ناف کے پاس لگا اور آر پار ہو گیا۔

حضرت حمزہ۔۔۔ مرد مجاہد۔۔۔ شیروں کے شیر۔۔۔ وہ نیزہ لگنے کے باوجود بھی وحشی کی جانب بڑھے لیکن چند قدم بعد ہی مغلوب ہو کر گر پڑے۔ وحشی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور حمزہؓ کے قریب پہنچے۔ وہاں پہنچ کر وحشی نے انکے جسم سے اپنا نیزہ کھینچ کر نکال لیا اور اُسکے

بعد وہ وہاں رکے بنا چلے گئے کیونکہ اُنکا کام ختم ہو گیا تھا۔

اللہ کے شیر۔۔۔رسول کے چہیتے چچا وہیں جام شہادت نوش فرما گئے۔ لیکن مشرکین نے صرف یہیں پر بس نہ کیا۔ اُنہیں حضور ﷺ کے چچا سے اس حد تک خار تھی کہ میدان جنگ میں جب کچھ لمحوں کے لیے مسلمانوں کے قدم ڈگمگائے اور انکے ستر کے قریب صحابہ شہید ہو گئے تو وہ بدبخت مشرکین صحابہ کے جسد خاکی کے پاس آئے اور اُنکی بے حرمتی شروع کر دی۔ ابو سفیان کی بیوی ہند نے سیدنا حمزہؓ کا جسم مبارک کاٹنا شروع کر دیا۔ اُس نے آپؓ کی ناک اور کان کاٹ لیے اور کہنے لگی کہ میں اسکے زیور تیار کرونگی۔ خیر مسلمانوں نے واپس میدان جنگ میں آکر اُن سب مشرکین کو مار بھگایا۔

معرکہ ختم ہونے کے بعد حضرت محمد ﷺ شہیدوں کی لاشوں کے پاس آئے۔ وہ مسلمانوں کے لیے ایک سخت ترین دِن تھا۔ مسلمانوں کو اُس روز نا قابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ حضرت محمد ﷺ ایک ایک لاش کے پاس سے گزرتے اور انکے لیے دعا فرماتے۔ صحابہ کو لاشوں کے کفن کا انتظام کرنے کا کہتے۔ اسی طرح چلتے چلتے آپ ﷺ اپنے چچا، اپنے رفیق اور اپنے بھائی حمزہؓ کی لاش کے پاس تشریف لائے۔

’’حمزہ۔۔۔‘‘ آپ ﷺ نے اُنکی لاش کو دیکھ کر پکارا پھر آپ انکے قریب بیٹھے۔ انکے جسد خاکی کو دیکھ کر آپ ﷺ رو پڑے۔۔۔

’’حمزہ۔۔۔ آہ حمزہ۔۔۔‘‘ آپ ﷺ روتے جاتے اور انکے چہرے پر ہاتھ پھیرتے جاتے۔ اُنکی ناک اور کان دیکھ کر تو آپ ﷺ ہچکیوں سے رونے لگے۔ آپ ﷺ کو روتا دیکھ کر صحابہ بھی رونے لگے۔

’’ہائے حمزہ۔۔۔ ہائے اسد اللہ۔۔۔۔ حمزہ۔۔۔ مجھے تمہارے جیسا غم کبھی نہ ملا‘‘ آپ ﷺ اس قدر روتے کہ صحابہ کرام بھی آپ کے ساتھ روتے جا رہے تھے۔ صحابہ کے لیے اپنے نبی ﷺ کو روتا دیکھنا بہت دلسوز منظر تھا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ‘‘ہم نے حضور ﷺ کو اُنکی پوری حیات مبارکہ میں اس قدر روتے ہوئے نہیں دیکھا جس قدر آپ ﷺ اپنے پیارے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر روئے تھے۔‘‘

پھر آپ ﷺ نے ایک چادر منگوا کر اُنہیں ڈھانپا۔ اور انکے جنازے کے لیے کھڑے ہوئے۔

’’ہائے حمزہ!۔۔۔ ہائے عم رسول (رسول کے چچا)... ہائے اسد اللہ واسد الرسول (اللہ اور رسول کے شیر)‘‘ اتنا کہہ کر آپ ﷺ پھر رونے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت حمزہ کا جنازہ پڑھایا۔ انکے بعد ایک اور صحابی کا جنازہ

پڑھایا لیکن ساتھ حمزہؓ کا جنازہ بھی پڑھا گیا۔ پھر تیسرے صحابی کا جنازہ لایا گیا انکے ساتھ بھی آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ یہاں تک کہ اُس روز حضرت حمزہؓ کا جنازہ ستّر مرتبہ پڑھا گیا تھا۔ اُسکے بعد آپؓ کو آپکے بھانجے حضرت عبداللہ ابن جحشؓ کے ساتھ دفنا دیا گیا۔ اُنکی تدفین کے وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ

''قیامت کے دن جب حمزہؓ اٹھائے جائینگے تو وہ سید الشہداء (شہیدوں کے سردار) ہوں گے"

حضور ﷺ کے دل پر آپ کا غم بہت بھاری گزرا تھا۔ جب آپ ﷺ مدینے تشریف لائے تو وہاں کہرام مچا ہوا تھا۔ ہر گھر سے عورتوں کے بین کرنے کی آوازیں آرہی تھی (اُس وقت بین کرنے کی ممانعت نہ تھی) اللہ کے رسول اس قدر غم زدہ تھے کہ اُنہوں نے فرمایا

''ہائے حمزہ۔۔۔ تمہیں تو کوئی رونے والی بھی نہیں ہے"آپ ﷺ کی یہ درد بھری بات سن کر حضرت سعد ابنِ معاذؓ کا دل کٹ گیا۔ آپؓ انصاری صحابی تھے اور مدینے کے بڑے سردار تھے۔ آپ نے جا کر اپنی عورتوں سے کہا کہ فوراً جا کر حضرت صفیہ یعنی حضرت حمزہؓ کی بہن اور حضور ﷺ کی پھوپھی سے تعزیت کریں۔

اللہ کے رسول کے دل میں آپکی شہادت کا غم ہمیشہ پنہا (چھپا) رہا۔ لیکن آپ نے ہمیشہ صبر کیا۔ جب بھی کبھی آپ کے چچا حمزہؓ کا ذکر ہوتا

آپ ﷺ کی آنکھیں نم ہو جاتی آپ ﷺ فرمایا کرتے کہ "حمزہ جیسا غم مجھے کبھی نہیں ملا"

------+----------+

سن ۹ ہجری

سات سال بعد جب مکّہ فتح ہو گیا تھا اور مسلمانوں کی اب ہر جگہ حکومت تھی، تب مشرکین کو چار ماہ کی مہلت تھی کہ وہ یا تو اسلام قبول کر لیں یا اب مکّہ کو چار ماہ کے اندر اندر چھوڑ دیں۔ ایسے میں وہ طائف میں سب سے چھپ کر بیٹھے تھے۔ اُنکو ڈر تھا کہ آج تو اُنکا کام تمام ہو جائیگا۔ اُنکو یقیناً کوئی معافی نہیں ملے گی۔ مسلمان تو دیکھتے ہی اُنکا سر قلم کر دیں گے۔ اتنے میں کچھ لوگ انکے پاس آئے

''ارے وحشی! یہاں چھپ کر کیوں بیٹھے ہو؟" اُن لوگوں نے وحشی سے پوچھا

''مجھے ڈر ہے کہ مسلمان مجھے مار دینگے" وحشی نے ڈرتے ڈرتے کہا

''تم اسلام قبول کر لو۔ جو بھی ایمان لا رہے ہیں اُنکو معافی مل جا رہی ہے۔ اور وہ مکّہ میں رہ بھی سکتے ہیں۔ انبیاء کسی پر ظلم نہیں کرتے"

''اچھا!... تو ٹھیک ہے پھر میں بھی چلتا ہوں۔ کہاں ہے حضور ﷺ؟" وحشی کو اُمید کی کرن نظر آئی

''وہ بیت اللہ میں ہے" اُن لوگوں نے جواب دیا۔ وحشی اُن لوگوں کے ساتھ ہو لیے اور پھر طائف سے مکہ پہنچے۔

بیت اللہ میں داخل ہو کر وہ سر جھکائے

حضور ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے

''اللہ کے نبی! میں آپکے ہاتھ پر بیعت کر کے

اسلام لانا چاہتا ہوں۔" حضرت محمد ﷺ نے

اُنکا اسلام لانا قبول کر لیا۔ اور بیعت بھی لی لیکن

پھر آپ ﷺ نے فرمایا

''تم وحشی ہونا! تم نے ہی حمزہ کو شہید کیا تھا نا

؟" آپ ﷺ نے پوچھا۔ وحشیؓ شرمندہ سے

بولے

''ہاں یارسول اللہ! میں ہی ہوں وہ"

''کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ میرے سامنے کبھی

مت آؤ؟۔۔۔ تمہیں دیکھ کر مجھے میرا حمزہ یاد آتا

ہے" کس قدر درد ہے ان الفاظ میں،

آپ ﷺ نے اُنکو کو معاف تو کر دیا اور اُنکا

اسلام لانا بھی قبول کر لیا لیکن اُن سے بس اتنا کہا

کہ میرے سامنے نہ آنا۔ یعنی حضرت حمزہؓ کا دکھ

آپ ﷺ کے دل میں کسی پرانے زخم کی

طرح ہمیشہ رہا۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت جتنی

المناک، غمگیں اور مسلمانوں کے لیے جتنا بڑا

نقصان تھی اتنا ہی بڑا رتبہ اور مقام اللہ نے رہتی

دنیا تک کے لیے آپ کو عطا کر دیا ہے۔

سلام ہے اللہ کے اس شیر کو۔۔ سلام ہے اُس

دن جس دن آپ نے ابی جہل کو اُسکی اوقات یاد

دلائی تھی۔

سلام ہے اُس دن جس دن آپ ایمان لائے

تھے۔

سلام ہے اُس دن پر کہ جس دن آپ شہیدوں

کے سردار کے طور پر اٹھائے جائینگے۔۔۔

----+-----+----

نوٹ:۔

پیارے بچوں اوپر مکّہ کے جتنے سرداروں کا ذکر کیا

گیا ہے وہ سب کے سب بعد میں مسلمان بھی

ہوئے اور صحابی بھی ہوئے۔ لہٰذا اُنکی عزت ہم

سب پر فرض ہے۔

حضرت ابوسفیانؓ: فتح مکہ پر مسلمان ہوئے اور

مدینے سکونت اختیار کی۔ مسلمان ہونے کے

بعد آپ مسلمانوں کے اہم سپہ سالار بنے اور

دور صدیقی میں گورنر بھی رہے۔ مسلمانوں کے

ساتھ کئی جنگوں میں بھی آپ شریک رہے۔

حضرت عکرمہؓ ابنِ ابو جہل: یہ بھی فتح مکّہ کے

موقع پر مسلمان ہوئے اور کیا ہی اچھے مسلمان

ہوئے۔ دور صدیقی میں نبوّت کے جھوٹے

دعویدار مسلیمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ

میں شہید ہوئے اور شہید بھی ایسی حالت میں

کے آپ پیاسے اور زخموں سے چور تھے۔ جب

ایک زخمیوں کو پانی پلانے والا شخص آپکے پاس

آیا اور آپکو کٹورا دیا تو آپؓ کی نظریں کچھ دور اپنے

چچا پر پڑیں وہ بھی پیاسے تھے۔ آپؓ نے پانی کا

کٹورا پیے بغیر ہی واپس کر دیا اور پانی پلانے

والے سے کہا کہ وہ پانی انکے چچا کو دے دے۔

وہ شخص جب چچا کے پاس آیا اور اُنکو پانی دینے لگا

تو اُنکی نظریں ایک اور زخمی پر پڑی وہ بھی پیاسا

تھا۔اُنھوں نے بھی پانی پیے بناواپس کر دیااور کہا کہ پانی اُس تیسرے زخمی کو پلادیں۔جب وہ شخص اُس تیسرے کے پاس پہنچاتو تیسرا شخص شہید ہو چکا تھا یہ واپس چچا کے پاس آیاتو وہ بھی شہید ہو چکے تھے۔پھر یہ عکرمہؓ کے پاس واپس آیاتو وہ بھی شہید ہو چکے تھے۔

صفوان بن امیہ: یہ بھی فتحِ مکّہ کے موقعے پر ایمان لائے اور اچھے مسلمان ہوئے تھے۔غزوۃ حمین میں آپ نے اپنے تمام کے تمام ہتھیار اللہ کے راستے میں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے تھے۔

وحشی ابنِ حربؓ یہ بھی فتحِ مکّہ پر مسلمان ہوئے تھے۔حضور ﷺ نے آپکو دور رہنے کو کہا تو آپ کبھی مدینے نہ آئے البتہ دورِ صدیقی میں کئی اہم جنگوں میں شریک ہوئے اور اُسی نیزے سے جس نیزے سے آپ نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا، مسلیمہ کذاب کا کام تمام کر کے مسلمان ہونے کا حق ادا کر دیا۔

جبیر بن مطعم: یہ بھی فتحِ مکّہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں یہ مردم شُماری جیسے اہم عہدے پر فائز رہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ: اور جناب خالد بن ولیدؓ کی تو کیا ہی بات ہے۔یہ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے۔انکے لیے کچھ بھی لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔لہٰذا سیرۃ صحابہ کے اگلے حصے میں ہم انہی کے متعلق

تفصیل سے پڑھیں گے ان شاءاللہ۔ یہ سب
بتانے کا مقصود یہ ہے کہ ان صحابہ کے زمانہ
جاہلیت کے ذکر کے دوران احتیاط برتی جائے
اور بے ادبی سے ہر گز کام نہ لیا جائے۔

تحریر: ژیلہ ظفر

ماخوذ

گلشن رسالت کے تیس پھول (حافظ ثناءاللہ
خان، حافظ سعید الرحمٰن)

حیاۃ صحابہ (جلد اوّل)(محمد یوسف کاندھلوی)

رحیق المختوم (مولانا صفی الرحمن مبارکپوری)

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کے ویڈیو بیانات سے
ماخوذ